اہل کتاب اور ایمان بالرسالت

(۲)

(از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے ہوم ڈپارٹمنٹ نئی دہلی)

حقیقت یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت اہل کتاب کے معتقدات میں ایسی باتیں آچکی تھیں کہ ان میں اور دیگر کفار و مشرکین میں کوئی فرق ہی نہ رہا تھا۔ آج اپنے زمانے میں ہی دیکھیے۔ جو جو اقوام اپنے آپ کو حامل کتاب و شریعت سمجھتی ہیں بنیادی عقائد میں بھی، ایمان باللہ و یوم آخر کی نسبت ان میں ایسے اصول پائے جاتے ہیں جو کسی صورت میں بھی قرآنی تعلیم کے مطابق نہیں۔ بلکہ صریحاً انہی لوگوں سے ملتے ہیں جنھیں قرآن کافر و مشرک قرار دیتا ہے۔ انبیاء کرام کو ابناء اللہ بنا دینا، یا انہیں اوتار یعنی عین خدا سمجھنا، ان کے مجسموں کی پرستش کرنا، اعتقاد آخرت میں مکافات عمل کے بجائے کفارہ کے عقیدہ کو اصل دین قرار دینا، یا یہ کہہ دینا کہ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ، اور بلا عمل جنت کے اجارہ دار بن بیٹھنا، قطعاً دین فطرت کی تعلیم نہیں قرار دیجا سکتی۔ اس لیے ایمان کتب و رسل تو ایک طرف، جہاں تک ایمان باللہ و یوم الآخر کا تعلق ہے، اہل کتاب اور کفار میں کوئی فرق ہی نہ رہا تھا۔ اور نہ ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا (۴:۸)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے۔ وہ جادو اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ اور جس کو خدا ملعون بنا دے اس کا تم کوئی حامی نہ پاؤ گے

دوسری جگہ ہے :۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
ابْنُ مَرْيَمَ ۔ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۔ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ
وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ
اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ
لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۵ : ۱۰)

بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی
ہے۔ حالانکہ مسیح نے خود کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی
عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے بیشک جو
شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائیگا سو اس پر اللہ تعالیٰ نے
جنت کو حرام کر دیگا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے
ظالموں کا کوئی مددگار نہیں بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو
کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ بجز ایک معبود کے
اور کوئی معبود نہیں اور اگر یہ لوگ اپنے معتقدات سے باز
نہیں آئیں گے تو جو ان میں سے کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہو گا۔

اب ظاہر ہے کہ نصاریٰ الوہیت مسیح اور تثلیث کو تو جزو دین (بلکہ اصل دین) سمجھتے ہیں اور جو اناجیل ان کے پاس موجود ہیں ان میں یہ عقیدہ اس طرح داخل ہو چکا ہے کہ گویا وہ من جانب اللہ ہے۔ اب ان عقائد سے ان کے باز آنے کی کیا صورت ہے؟ قرآن کا دعویٰ ہے کہ مسیحؑ کی تعلیم نہیں ہے الحاق ہے تعلیم نہیں ہے۔ اب اصل تعلیم وہ کہاں سے لائیں۔ ان عقائد کی اصلاح کس طرح کریں۔ تاوقتیکہ وہ اپنی کتابوں کو محرف مان کر ان کو جزو دین نہ سمجھیں ان عقائد سے کس طرح منہ موڑ سکتے ہیں یہی وہ چیز ہے جس کے لیے قرآن کریم انہیں تجدید ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ صرف نصاریٰ ہی نہیں، دوسری جگہ یہود و نصاریٰ ہر دو کے متعلق ہے :۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ
النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ
بِاَفْوَاهِهِمْ ۔ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہود کہتے ہیں کہ عزیر ابن اللہ ہے۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح
خدا کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں یہ گو
بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگ گئے جو ان سے پہلے کافر

مِنۡ قَبۡلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤۡفَكُوۡنَ (۹: ۵)۔ ہو چکے ہیں خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔

فرمائیے کہ اللہ پر ایمان کے بارے میں کفار اور ان اہل کتاب میں کیا فرق ہے۔ قرآن خود شہادت دے رہا ہے کہ یہی لوگوں کے سے معتقدات ہیں جو کافر ہو چکے ہیں۔ اندریں حالت قرآن کس طرح سے ان کے اس ایمان کو صحیح ایمان تسلیم کرے۔

اللہ اور آخرت پر ایمان کو جس صورت میں انہوں نے مسخ کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ خدا کا خوف ان کے دل سے اٹھ جاتا اور وہ بداعمالیوں میں الجھ کے رہ جاتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حتیٰ کہ مسلمانوں کی توجہ خاص طور پر ان کی اس حالت کی طرف منعطف کرائی گئی ہے۔ فرمایا۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ وَلَا یَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَكَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۔ (۲: ۵)

کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی۔ پھر ان پر زمانہ گذر گیا۔ اور ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

صحیح تعلیم کے فقدان کی وجہ سے ان کے عقائد میں تبدیلی ہوئی۔ اور یہ مسلم ہے کہ جب کسی قوم کے عقائد ہی بگڑ جائیں تو اعمال صالح کیسے رہ سکتے ہیں۔ عقائد و اعمال کی اسی اصلاح کے لیے قرآن کریم نازل ہوا چوں کہ اہل کتاب گویا اسی برادری کے افراد تھے ان کے پاس یہ روشنی پہلے پہنچ چکی تھی۔ ان کے پاس کتابوں میں اس آنے والے رسولؐ کا ذکر موجود تھا۔ اس لیے بمقابلہ کفار و مشرکین کے جن کے کان اس صوت سرمدی سے غیر مانوس اور جن کی آنکھیں نور ایزدی سے ناآشنا تھیں اہل کتاب کو جلدی حق قبول کر لینا چاہیے تھا لیکن تعجب کہ انہوں نے ان سے بھی زیادہ مخالفت کی چنانچہ قرآن کریم نے اسی ظلم کی طرف انکو توجہ دلائی ہے۔ فرمایا۔

وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے، جو تصدیق

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۔ (۲ : ۵)

کرتی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (یعنی توریت کی) اور تم سب سے پہلے اس سے انکار نہ کرو۔

دوسری جگہ یہی دعوت سختی کے ساتھ دی ہے، کہ اہل کتاب کا قرآن سے انکار ہٹ دھرمی ضد اور نفسانیت پر مبنی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۔ (۴ : ۷)

اے اہل کتاب اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم چہروں کو مسخ کر دیں۔ اور ان کو الٹی جانب کے دیں یا ان پر ہم ایسی لعنت کر دیں جیسی اہل سبت پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

سورۂ مائدہ رکوع ۹ میں ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم فوراً ان کی برائیاں معاف کر دیتے اور ضرور انکو جنت کے باغوں میں داخل کرتے۔

ایک دفعہ پھر یہ پیش نظر رکھیے کہ اس ایمان کے معنی محض مان لینے کے ہی نہیں بلکہ رسول اللہ کے فیصلے کو ہر معاملے میں قول ناطق تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے یعنی اتباع رسول کے بغیر ایمان حاصل ہی نہیں ہو سکتا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۴ : ۹)

قسم ہے آپکے رب کی یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے جبتک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ کو حکم مان لیں پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے خلاف اپنے دلوں میں ذرا بھی خلش نہ محسوس کریں۔ اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔

اور رسول اللہ سے فرمایا کہ ان لوگوں کے فیصلے قرآن کے مطابق کیا کریں، اس لیے کہ قرآن کے اندر وہ تمام صداقتیں موجود ہیں۔ جو پہلی کتابوں میں آتی رہیں اور جو اب اہل کتاب کے پاس موجود نہیں ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۔ (۵:۷)

اور ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی ہے جو خود بھی حق ہے اور جو اس سے پہلے کتابیں آچکی ہیں ان کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ اور ان کتابوں کی محافظ ہے آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ کیا کریں اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجیے۔

یہی نہیں بلکہ مسلمانوں سے فرمایا کہ دیکھنا کسی معاملہ میں اہل کتاب کا اتباع نہ کرنا۔ اس اتباع کے معنی یہ ہوں گے کہ تم حق کو چھوڑ کر باطل کے پیچھے لگ جاؤ گے۔ اور یہی کفر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (۳:۱۱)

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے کسی ایک فرقہ کا بھی کہنا مانو گے تو وہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان لائے پیچھے کافر بنا دیں گے اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو حالانکہ تم کو اللہ کے احکام سنائے جاتے ہیں اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ ضرور راہ راست کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اہل کتاب سے ایمان کا مطالبہ ہے ایسے ایمان کا کہ جس میں اتباع رسول و قرآن ضروری ہے ان کے معاملات کا فیصلہ از روی قرآن کیا جانا ضروری ہے یعنی شریعت قرآنی کی پابندی ان پر لازمی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ بلکہ ان کا کفر متعدی ہے اور مسلمانوں کو ان کے ہر ایک گروہ کے اتباع سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی سچی سچی تعلیمات اور ان تعلیمات کے معلم موجود ہیں۔ اور اہل کتاب کے پاس نہ ان کی اصل تعلیم موجود ہے نہ پیغمبر کہ ان کی غلطیوں کی اصلاح کرے۔

ان کی تلبیس و تحریف کو ظاہر کردے سمجھ میں نہیں آتا کہ ان آیات بینات کی موجودگی میں اہل کتاب کے بے ایمان نہ لانے کی کونسی دلیل پیش کی جاسکتی ہے قرآن نے تو مسلمانوں کو ان کی دوستی سے بھی منع فرمایا ہے کہ قلبی تعلقات سے بھی عقائد پہ بڑا اثر پڑا کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ
وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵:۸)

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کریگا وہ انہی میں سے ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ ظالمین کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

یہی نہیں بلکہ جن حالات کے تحت کفار و مشرکین سے جہاد و قتال کا حکم ہے ان میں اہل کتاب سے بھی قتال کا حکم ہے۔ فرمایا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ
دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى
يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (۹:۲۹)

اہل کتاب جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر اور ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا اور رسول نے حرام بتایا ہے، اور نہ سچے دین کو ہی قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہوکر جزیہ دینا قبول کریں۔

اس آیت سے حسب ذیل اہم نتائج متخرج ہوتے ہیں۔

(۱) اہل کتاب کے ایمان باللہ و یوم الآخر کو ایمان تسلیم نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ جیسا ہم پہلے عرض کرچکے ہیں ایمان سے مقصود صرف یہی نہیں کہ محض ہستی باری تعالیٰ، یا آخرت کے وقوع کے امکان کو ہی تسلیم کرلیا جائے۔ بلکہ صحیح ایمان یہ ہے کہ ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق ایسا تصور قائم کیا جائے جو ہر قسم کے شرک خفی و جلی سے منزہ ہو، اور حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا تصور جس رفعت و تقدس کے ساتھ قرآن کریم نے متعین فرمایا ہے ایسا اور کہیں نہیں ملتا۔ اس لیے اس تصور کے علاوہ جس قسم کا بھی تصور ہوگا، ایمان نہیں کہلایا جاسکتا، ورنہ اگر محض خدا کی

ہستی کے ماننے کا نام ہی ایمان ہو تو دنیا میں سوائے چند دھریوں کے جو خدا کی ہستی ہی کے منکر ہیں کافر تو کہیں ملتا ہی نہیں۔ اسی طرح اگر ایمان آخرت سے مراد ایک دوسری زندگی کے وقوع کا امکان ہی ہو تو سوائے مغرب کے مادیین کے اور کوئی اس کا منکر بھی نہیں ملیگا۔ آخرت کا ایمان بھی انہی شرائط کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیے جو قرآن کریم نے مقرر فرمائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کتاب کے ایمان باللہ وآخرت کو قرآن نے ایمان تسلیم نہیں کیا

(۲) ایمان باللہ و آخرت کے ساتھ ہی ساتھ شریعت اسلامی یعنی خدا و رسول کی تحریم و تحلیل پر کاربند ہونا بھی اہل کتاب کے لیے ضروری ہے۔

۳- ان چیزوں کو اپنے اپنے طور پر صحیح تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ دین الحق (سچے دین) کو قبول کرنا بھی لازمی ہے

ان تصریحات کو سامنے رکھ کر دیکھیے کہ قرآن کریم کی رو سے اہل کتاب کے لیے ایمان لانا، دائرہ اسلام میں داخل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کفار و اہل کتاب میں کچھ فرق ہی نہیں سمجھتا، سوائے اس کے کہ چند معاشرتی آئین میں انھیں دیگر کفار پر ذرا سی ترجیح دی گئی ہے، یعنی ان کے ہاں کا کھانا جائز ہے اور ان کی پاک دامن عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت ہے اور یہ اس لیے کہ۔

گو واں نہیں، پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

ان توضیحات کے بعد اب ہم ان آیات کو لیتے ہیں جن سے اہل کتاب کے ایمان کے حق میں استدلال لایا جاتا ہے۔ گزشتہ دو ایک سال میں جتنے اعتراضات نظر سے گزرے ہیں ان میں تین چار آیات مشترک دکھائی دی ہیں۔ انہی آیات کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس آیت سے استدلال لایا جاتا ہے۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ (اے رسول) اہل کتاب سے کہدیجیے کہ آؤ ایک ایسی بات کی طرف
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم بجز اللہ کے

شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۳ : ۷)

کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے۔ اللہ کو چھوڑ کر۔ پھر یہ لوگ اعراض کریں تو کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو۔ ہم تو ماننے والے ہیں۔

اس سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ اہل کتاب سے صرف عقیدۂ توحید کا مطالبہ ہے، ایمان بالرسالت کا نہیں ہے یعنی اگر وہ شرک کو چھوڑ دیں، تو قرآن انہیں پھر کسی اور چیز کی دعوت نہیں دیتا، اور ان سے مزید تعرض نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سے استنباط نتائج کے صحیح اصول کو نظر انداز کر دینے سے ہم اس قسم کی الجھنوں میں پڑ جاتے ہیں۔ قرآن کریم سے صحیح مفہوم اخذ کرنے کے لیے ہمیشہ اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جہانتک ہمیں نص قرآنی لے جاتی ہو، صرف وہیں تک چلیں۔ اس کے بعد اپنے ذہن سے قیاس آرائیاں شروع کرکے مزید نتائج اخذ کرتے چلے جائیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھنے کے لیے بھی قرآن کریم سے ہی استشارہ کریں۔ پھر معاملہ صاف ہو جائیگا۔ آیت محولہ صدر میں اہل کتاب کو عقیدہ توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ یہانتک تو قرآن کریم نے بیان فرمایا اب اس کے بعد ہمارے ذہن نے اضافہ شروع کر دیا کہ "لہذا" اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب سے اس کے سوا اور کوئی مطالبہ ہی نہیں بس اسی "لہذا" میں آکر انسان قرآن سے دور جا پڑتا ہے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے مقام پر اس "لہذا" کے خلاف کوئی آیت موجود ہوتی ہے، تو یا تو اسے موڑ توڑ کر اس پر منطبق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اگر اس میں ناکامی ہوتی ہے تو قرآن میں تضاد کا شبہ ہونے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ جس چیز کو وہ قرآن کا تضاد سمجھتے ہیں، وہ دراصل قرآن کا تضاد نہیں، بلکہ قرآن کا ان کے "لہذا" سے تضاد ہوتا ہے یہی بنیادی غلطی آیت مذکورہ کے اخذ مفہوم میں ہوتی ہے۔ بات قاعدے کی یہی ہے کہ جب بھی مخاطب سے بحث ومناظرہ، یا دعوت وتبلیغ کا موقع ہوتا ہے، تو سب سے پہلے امور مشترکہ فیما بین کو طے کر کے الگ رکھ لیا جاتا ہے اور اس کے بعد امور متنازع فیہ کی بابت ذکر شروع ہوتا ہے اس آیت میں تبلیغ و دعوت کا یہی پہلا درجہ دکھلایا گیا ہے جس میں امر مشترک یعنی عقیدہ توحید کو سب سے پہلے طے کر لینے کی

دعوت دی گئی ہے۔ اس کے بعد معاملہ آگے بڑھے گا، جو قرآن کے اسلوب کے مطابق دوسرے مقامات سے مل سکےگا معترضین تمام بحث کا خاتمہ اسی پہلے درجہ میں کر دیتے ہیں، اور اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ بس اہل کتاب سے اس کے سوا اور کسی مطالبہ ہی باقی نہیں رہتا۔ ذہن میں اس نتیجہ کو راسخ کر لینے کے بعد اب سینکڑوں دوسری آیات جن سے اہل کتاب سے ایمان بالرسالت کا مطالبہ صاف صاف پایا جاتا ہے الٹی سیدھی تاویلات کا تختۂ مشق بنائی جاتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر استنباط نتائج کا یہی اصول صحیح ہو جو انہوں نے قائم کر رکھا ہے تو فرمائیے کہ سورۂ کافرون سے وہ کیا نتیجہ اخذ کریں گے جس میں مذکور ہے کہ:-

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ
وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ۔ وَلَاۤ اَنَا
عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ
اَعْبُدُ۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔

کہہ دیجیے کہ اے کافرو! نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرنے والے ہو نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے والا ہوں نہ تم میرے معبود کی۔ تمہارے اعمال کی جزا تمہارے لیے، میرے لیے میری۔

ان اصول استنباط کے مطابق تو اس آیت سے ظاہر ہے کہ کفار سے کسی چیز کا مطالبہ ہی نہیں کیا گیا ان سے صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ جن معبودان باطل کی تم پرستش کر رہے ہو، کرتے رہو، نہ میں ان کی پرستش کر سکتا ہوں، نہ تم ان کو چھوڑ کر میرے خدا کی عبادت کرنے پر رضامند ہو، لہذا تم اپنے حال راضی ہم اپنے حال خوش۔ اللہ اللہ خیر صلاح لیکن ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ کسی صورت میں بھی صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے بعد تو نہ صرف نزول قرآن، بعثت نبی اکرمؐ ہی بے معنی ہو جاتی ہے، بلکہ قرآن بنیادی طور پر ہی متضاد صورتوں کو پیش کرنے والا نظر آنے لگ جاتا ہے۔ صحیح نتیجہ اخذ کرنے کے لیے وہی اصول صحیح ہے جو اوپر گذارش کیا گیا ہے۔ اس سورت میں کفار سے قطع تعلق کا اعلان ہے۔ اس کے بعد ان سے کیا طرز عمل اختیار کیا جائے گا؟ اس کی بابت آپ کے یہاں سے نہیں بلکہ قرآن کے دوسرے مقامات سے دریافت کرنا ہوگا۔ اسی طرح اہل کتاب والی آیت میں ان سے صرف قدر مشترک کو طے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کیا مطالبہ ہے؟ اس کے متعلق قرآن کریم سے ہی استصواب

کرنا چاہیئے۔ اور یوں بھی دیکھا جائے تو یہ پہلا مطالبہ ہی اتنا اہم ہے کہ اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو پھر ان کی عیسائیت اور یہودیت میں باقی ہی کیا رہ جاتا ہے۔ ان کو تو پہلے چھوڑنا ہو گا جب کہیں قرآن کا مطالبہ توحید پورا ہو سکیگا۔

اب اس آیت کو لیجیے۔

لَيْسُوْا سَوَاءً - مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ - يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ - وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ - وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ - (۳ : ۱۲)

سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں - اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کھڑی رہتی ہے اور اللہ کی آیات راتوں میں تلاوت کرتی اور سجدے کرتی ہے یہ لوگ اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، نیک کام کرنے کا حکم کرتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑ کر (جاتے ہیں)، یہ لوگ صالحین میں ہیں جسے اور جو نیک کام یہ کرتے ہیں، اس (کی جزا) سے محروم نہ رکھے جائیں گے اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

اس آیت کے دو ٹکڑے زیر بحث ہیں (يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں) - اور وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ (کہ وہ جو نیک کام کرتے ہیں، ان کے اجر سے محروم نہ رکھے جائیں گے)۔ اس سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ اہل کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے ایمان کو قرآن تسلیم کرتا ہے، اور ان کے اعمال کو کفار کے اعمال کی طرح باطل قرار نہیں دیتا، بلکہ ان کی جزا کا وعدہ کرتا ہے یہ نتائج بوجوہ غلط ہیں۔ سیاق کلام یوں چلا آتا ہے کہ اہل کتاب نے آج سے نہیں کچھ شروع ہی سے ایسا رویہ اختیار کر رکھا ہے کہ جب بھی اللہ کی آیات ان کے پاس آتی ہیں تو یہ ان سے انکار کر دیتے ہیں۔ (يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ) اور جو نبی آتا ہے یہ اس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں (يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ الْحَقِّ) لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ کلیہ نہیں۔ بلکہ اس میں مستثنیات بھی ہیں۔ انہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں کہ جب

اللہ کی آیات ان کے پاس پہنچتی ہیں تو وہ ان سے انکار نہیں کرتے بلکہ انکو قبول کر لیتے ہیں، ان پر ایمان لے آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے بعد یہود و نصاریٰ اپنے اپنے ہاں کی مذہبی تعلیم سے تو انکار کرتے ہی نہ تھے۔ وہ تو اس کو مانتے تھے۔ اب اس تکفیر کرنے والی جماعت کے بعد جس جماعت کا ذکر آیا ہے، جو تمیز ہے، وہ ایسی جماعت ہے جو اس پیغام خداوندی کی تکفیر نہیں کرتی، بلکہ اس پر ایمان لے آتی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو چکی ہے۔ انہی کے ایمان کو ایمان باللہ والآخرۃ کہا گیا ہے اور اس ایمان کی بدولت ان کے اعمال کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (ان کے اعمال غارت ہو گئے) سے مستثنیٰ کر دیا ہے اس لیے کہ ہم نے (۴:۹) میں دیکھا ہے کہ تمام اہل کتاب کے متعلق یہ موجود ہے کہ۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (یہ لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) اس لئے کہ۔ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ (یہ سچے دین کو قبول نہیں کرتے) تو جن اہل کتاب کے متعلق اتنا واضح طور پر یہ کہدیا گیا ہو انہی کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس جماعت سے لامحالہ وہی جماعت مقصود ہے جو ایمان لا کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھی ہمارے اس دعوے کی دلیل اسی سورۂ آل عمران کے آخر میں موجود ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۳ : ۲۰)	اور یقیناً اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں ان کے پاس بھیجی گئی تھیں اللہ سے ڈرتے ہوئے اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر نہیں بیچ دیتے ایسے لوگوں کا اجر ان کے اللہ کے ہاں سے ضرور ملیگا اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

اہل کتاب کی اسی جماعت کا ذکر ہے اللہ کے ایمان کے ساتھ قرآن کریم کے ایمان کی بھی تصریح ہے اور اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اس وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ کی تفسیر ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم پر ایمان لانے والی جماعت مسلمان اہل کتاب کی ہی جماعت تھی۔

پھر یہ بھی غور طلب ہے کہ جس جماعت کا ذکر آل عمران کے رکوع ۱۲ میں کیا گیا ہے اسکا فرض منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی بتایا گیا ہے۔ اور یہ فریضہ صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے جیسا کہ کئی ایک مقامات سے ظاہر ہے۔ مثلاً دو تین آیات پہلے مذکور ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ — مسلمانو! تم بہترین امت ہو جو تمام انسانوں کے لیے علیحدہ کی گئی ہے تاکہ تم نیک کاموں کا حکم کرو۔ اور بُرے کاموں سے روکو۔ اور خدا پر ایمان رکھو۔

اور اس کے ساتھ ہے کہ:۔

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ — اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا ان میں سے کچھ تو ایمان لے آئے ہیں۔ اور اکثر فاسق ہیں

اب ظاہر ہے کہ (۳ : ۱۲) میں جس جماعت کا ذکر ہے کہ ان کا منصب حیات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے وہ مسلمانوں کی ہی جماعت ہو سکتی ہے یا غیر مسلم اہل کتاب کی؟ پھر ان آیات کے آخر میں ہے وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ اور متقین کی تعریف شروع قرآن کریم میں گذر چکی ہے کہ:۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ — اور جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تم پر نازل کی گئی ہے۔ اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے آ چکی ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

اب بھی اگر شبہ باقی رہ جائے تو شرح صدر کرنے والی تو خدا کی ہی ذات ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:۔

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم — اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں سے

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ کچھ تو ایمان لے آئے ہیں۔ اور اکثر فاسق ہیں۔

منہم المومنون سے مراد یہ ہے کہ "ان میں کچھ تو مومن ہیں۔ اور اکثر فاسق ہیں" یعنی قرآن ان میں بعض کو مومن تسلیم کرتا ہے۔ سو اس کی تکذیب تو خود اس آیت کا Construction کر رہا ہے لو آمن اهل الکتٰب۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے" میں تمام اہل کتاب کا ذکر ہے۔ اگر ان میں سے بعض کو مومن تسلیم کر لیا جاتا تو سب اہل کتاب کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان میں سے جو فاسقین تھے انہی کو مخاطب کیوں نہ کیا گیا۔ حالانکہ قرآن کریم میں اسی ایک مقام پر نہیں، بلکہ کوئی بھی ایسا مقام نہیں جہاں اہل کتاب کے کسی ایک حصہ کو مخاطب کرکے ایمان کی دعوت دی گئی ہو۔ اس لیے منہم المومنون سے مراد وہی لوگ ہیں جو قرآن کی اصطلاح میں ایمان لا چکے تھے۔ جیسا کہ (۳: ۲۰) سے ظاہر ہے۔

باقی